

بسم الله الرحمن الرحيم

نقش آغاز

برصغیر پاک و ہند کی ممتاز دینی اور روحانی شخصیت عارف باللہ جامع شریعت و طریقت حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کے وصال کو نو دس سال گزر چکے ہیں مگر یہ بحث اب بھی زور شور سے اُسرنا اٹھاتی جا رہی ہے کہ حضرت کی تدفین شریعت اسلامیہ کے مطابق ہوئی یا نہیں؟ فتوؤں کا بازار گرم ہے، طرفین داد تحقیق دے رہے ہیں، حنیفے اور کتا بچے نکل رہے ہیں۔

انا لله وانا اليه راجعون۔

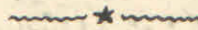
کسی قوم کی بد نصیبی اور انتہائی انحطاط کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ عین اس وقت جب کہ علمی اور عملی فتنے طوفان کی طرح چھا چکے ہوں، ضعف و ادبار پوری امت کو گھیرے ہوئے ہو، اس امت کے خواص و اعیان اور اکابر علم و فکر پوری قوتوں کے ساتھ ایسے لایعنی مباحث اور دور از کار قیل و قال اور بحث و جدال میں مصروف ہو جائیں، جن پر نہ دین کا کوئی مدار ہو نہ کوئی دنیاوی نفع۔ کلیسا پر جب خدا کی تلوار پوری طرح مسلط ہو چکی تھی تو کلیسائیت کے علمبردار آپس میں اس مسئلہ پر برسرِ پیکار تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (ندم انکم) مولیٰ پر چڑھنے سے پہلے کونسی غذا کھائی تھی۔ ہزاروں افراد اس اختلاف میں تہ تیغ ہوئے۔ یہی حالت مسلمانوں کی اس وقت تھی جب فتنہ تانار پور سے عالم اسلام کو ہلکا رہا تھا۔ اور ہلاکو کی فوجیں دار الخلافہ بغداد کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں۔ ادھر بغداد کے گلی کوچوں میں مناظروں کا بازار گرم تھا، غیر ضروری مسائل پر علم و فکر کی ساری توانائی صرف ہو رہی تھی۔ دشمن کی بجائے فردی مسائل نشانہ تحقیق بنے ہوئے تھے۔

موجودہ پر آشوب دور نگاہوں میں رکھتے پھر اس میں دین اور اہل دین کے خلاف اہل فتن و الحاد کی متحدہ فتنہ سازیاں دیکھئے، فکر آخرت سے آزادی مغربیت اور اباحت میں انہماک علمی اور دینی فتنوں کی یلغار، مادہ پرستی کا ہنگامہ نئے نئے علمی اور فکری مسائل کا چیلنج اور اس کے مقابلہ میں دین اور اہل دین کی غربت اور تشقت و انتشار کا سوچئے۔ پھر عصر حاضر کے تقاضوں کے سامنے اہل دین کی مسئولیت اور ذمہ داریوں کی نزاکت پر بھی ایک نگاہ ڈالئے اور مذکورۃ الصدر لا طائل مسئلہ پر اتنا

شور و ہنگامہ۔؟ بجا طور پر حیرت، تعجب اور افسوس و حسرت کی ملی جلی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ زمانہ قیامت کی چال چل رہا ہے، حالات ہمیں مجھوڑ رہے ہیں۔ دین اور اصول دین کے خلاف خفیہ کمین گاہوں میں کونسا اسلحہ ہے جو جمع نہیں کیا جا رہا۔؟ ملک کے دینی اور سیاسی مستقبل کے فیصلے ہو رہے ہیں، ایسے حالات میں ہماری توجہ اور اہتمام کا مستحق الاعم فالاعظم کی بنیاد پر کون سے مسائل ہونے چاہئے تھے۔؟ اور ہماری مصروفیات کا محور کیا ہونا چاہئے تھا۔؟ ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی قوت فکری صلاحیت اور علمی استعداد کن امور میں لگانا ہے۔؟ یہ باتیں تمام علماء امت اعیان ملت اور اصحاب دعوت و عزیمت کیلئے دعوت فکر دے رہی ہیں۔



فطری طور پر یہ ناخوشگوار تاثر اور تلخ احساس ہر دردمند مسلمان کا ہو سکتا ہے جو ایک ایسے مسئلہ پر علماء و مشاہیر ملت کو باہمی بحث و جدال میں مصروف دیکھتے ہیں جس پر نہ تو دین کے کسی بنیادی مسئلہ کا مدار ہے نہ اس سے مسلمانوں کا کوئی اجتماعی مفاد وابستہ ہے۔ اور نہ وہ ہماری کسی ترقی و خوشحالی کا ذریعہ بن سکتا ہے، اور نہ اسے موجودہ حالات اور زمانہ سے کوئی مناسبت یا مطابقت ہے بلکہ الٹا ہماری علمی کم نگاہی، دینی بے بصیرتی اور اجتماعی بدقسمتی کی دلیل بنائی جاسکتی ہے۔ پھر یہ بے نصیبی نہیں تو کیا ہے کہ اس نے پورے برصغیر کے ایک برگزیدہ فہم فہم علمی و دینی طبقہ اور اکابر علماء کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ پھر دونوں فریق میں اصولی طور سے وجہ نزاع بھی کوئی بات نہیں جو لوگ حضرت کے مزار کو موجودہ شکل میں قائم رکھنا چاہتے ہیں، انہیں بھی اعتراف ہے کہ تدفین مسنون اور متواتر صورت میں نہیں ہوئی مگر بوجہ و اعذار ہوئی اس لئے متحقق ہو چکی ہے۔ جن حضرات کو قبر پر اعتراض ہے وہ بھی منہش (قبر کھولنے) اور اُسے دوسری جگہ منتقل کرنے کو جائز نہیں کہہ سکتے۔ پھر اس مسئلہ کو ایک دوسرے کی نیات اور عزائم پر بدگمانی اور باہمی اختلاف و افتراق کا ذریعہ بنانا، سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔



الحق ایسے مباحث اور نازک موضوع پر بحث کا نہ تو روادار ہے نہ راقم الحروف کی علمی بساط اور بے بضاعتی اسکی اجازت دیتی ہے، مگر طرفین کے اکابر اور ایک بہت بڑی تعداد کے اصرار پر بادل ناخواستہ اس موضوع پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ ایسے نادور روزگار

اور سرمایہ افتخار بزرگ کی مرقد مبارک کو اتنے عرصہ بعد زیر بحث بنا رکھنے پر بھی جبین غیرت پسینہ
پسینہ ہو رہی ہے۔ مجھے حضرتؒ کے اجلہ خلفاء اور متوسلین کی اس جرأت پر حیرت ہے کہ وہ
ایک ایسے بزرگ کی قبر اور برزخی زندگی کو اس حد تک بحث و جدال کا ذریعہ بنا رہے ہیں جسکی مجموعی
زندگی پر حیار اور اخفاء کی شان غالب تھی۔ کیا ہم اپنے خاندان کے کسی بزرگ کی قبر کھودنے اور
دوبارہ نکالنے نہ نکالنے کے موضوع کو بے حرمتی اور احساس عظمت سے غاری ہونے کا سبب
سمجھ کر اس پر ناگواری ظاہر کریں گے یا نہیں؟

حضرتؒ جن کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ اور ہر لحظہ خلق خدا کی ہدایت میں صرف ہوا۔ ۱۶ اگست
۱۹۶۲ء کو لاہور میں داخل حق ہوئے جب کہ آپ اپنے وطن اقامت رائے پور (بھارت) اور
وطن اہلی (ڈھڈیاں ضلع سرگودھا) سے دور تھے، تدفین کے بارہ میں تین تجاویز تھیں۔ ۱۔ یا تو شریعت
کی روح اور مزاج کے مطابق وہیں لاہور ہی میں دفن ہوں۔ ۲۔ دوسری رائے حضرتؒ کی خواہش
(مگر اس کے ساتھ بارہا یہ وصیت بھی تھی کہ جہاں وصال ہو وہاں دفن کیا جائے) کے مطابق
رائے پور سے ہمارے اپنے شیخ کے قدموں میں دفنانے کی تھی۔ ۳۔ تیسری رائے حضرتؒ کے شرعی
دورنہ راہلیاء کی تھی کہ آہائی گاؤں ڈھڈیاں میں تدفین عمل میں آئے۔ پہلی رائے پر عمل نہ ہو سکنے
کا وبال بعد میں پوری جماعت کی فکری پریشانی اور انتشار کی شکل میں ظاہر ہوا اور فیصلہ تیسری رائے
پر ہو گیا۔ ڈھڈیاں کی زمین مناک تھی، مسجد کے قریب خطہ جسے مٹی سے پاٹ کر سطح مسجد کے برابر
کرنا طے ہو چکا تھا اس میں بجائے زمین کھودنے کے شق کی شکل میں دیواریں چن لی گئیں اور تابوت
مبارک رکھ کر چاروں طرف سے زمین کو مٹی سے سطح مسجد کے برابر پاٹ دیا گیا اور تابوت مع
شق بالائی سطح سے دو تین فٹ نیچے ہو گیا، اور اوپر قبر کا کواں نمائشان بنایا گیا۔ اس طرح قبر جو درجہ الاعلیٰ
پر تھی بنا سمیت بطن الارض ہو گئی۔

اس کے بعد پریس اور علمی و دینی حلقوں میں یہ بحث پھیل گئی کہ تدفین مسنون طریقہ (قبر کھود
کر دفن کرنے) سے نہیں ہوئی اس لئے دوبارہ نبش (قبر کھولنا) اور دفن ہونا چاہئے مسئلہ نے
شدت اختیار کی تو بعض حضرات کے استفسار پر بڑھیر کے ان تمام اجلہ علم اور اصحاب تحقیق و
تعمق حضرات نے متفقہ فتویٰ دیا کہ موجودہ شکل کو توارث اور مسنون طریقہ دفن کے خلاف
ہو اگر اب تدفین متعمق ہو چکی ہے۔ اس لئے قبر کھول کر میت کی دوبارہ تدفین یا کسی دوسری جگہ
(دوسرا زمین اب بھی چاہتا ہے کہ ایک دفعہ کھول کر اسے رائے پور ہی لے جایا جائے ورنہ اسی جگہ

دوسرے مقام پر تدفین کی کوئی تجویز بھی ان کی طرف سے سامنے آئی ہوتی، منتقل کرنا حرام ہے۔ اس فتویٰ پر بڑے صغیر کے ان اکثر مشاہیر محدثین، فقہاء اور علماء کے دستخط ہیں جن کا علمی تجربہ اور الحسیت ضرب المثل ہے۔ اور انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ گویا وقت کا یہ متنازعہ مسئلہ اجماع کے طور پر طے کر لیا گیا ہے اور اب اس اجماع کا ”خرق“ بلا وجہ ایک بڑا ت ہے۔ یہ فتویٰ فقہاء کی ان واضح تصریحات پر مبنی تھا کہ تدفین میں بڑی سے بڑی مخالف سنت چیز بھی آجائے مثلاً میت قبلہ رخ نہ رکھی گئی ہو یا بائیں کمرہ ط پر ہو یا اس کا سر پاؤں کی جگہ ہو یا غسل اور نماز جنازہ جو میت کا ایک حق واجب اور امت پر فرض کفایہ ہے اگر کسی وجہ سے غسل یا نماز جنازہ بھی رہ جائے تب بھی منس یعنی کھولنا جائز نہیں۔ اور کی حالت عالم الغیب والسرائر کے سامنے ہے۔ بلا کسی شدید مجبوری کے اسے کھولنا اور ٹولنا شرف انسانیت کی رعایت کے خلاف ہے۔

الغرض یہ مسئلہ ایسا نظری اور پیچیدہ نہ تھا جو جادہ حق و اعتدال پر ہر حالت میں قائم رہنے والی ایک جماعت ”علماء دیوبند“ کیلئے اس حد تک وجہ نزاع بن جاتا۔ ایک ایسی جماعت جس کے سامنے اپنے مسلک حق کا عمومی مزاج اور برزخ و عالم برزخ کے بارہ میں سلف کا محتاط رویہ اور تعلیمات ہوں، جس کے ہاں اصل زور رسوم و آئین پر نہیں معنوی کمالات اور روحانی مقامات پر دیا جاتا ہو۔ قبر پرستی اور مظاہر پرستی سے نفور میں ضرب المثل ہو، پھر جانے والے مرحوم اکابر کی عظمت و حرمت اور آداب کی رعایت میں بھی اس جماعت کا رویہ مثالی رہا ہو، ایک ایسی جماعت کے ہاں ایسے دور از کار موضوع پر شور و ہنگامہ فتویٰ اور جواب فتویٰ۔ رسائل اور ضمیموں کی بھر مار اس طبقہ کے عمومی مزاج اور پروری تاریخ سے بے جوڑ سی بات ہے۔ جبکہ اس مسئلہ کو بار بار اٹھائے سے فکری و علمی مفاسد کے علاوہ مقامی طور پر کسی بڑے فتنہ و فساد کا بھی اندیشہ ہے۔ والفتنة اشتد من القتل۔ اس لئے اپنی کم مائیگی اور تہی دامن کی پورے احساس اور دونوں طرف کے اکابر کی عظمت و ادب کا پورا استحضار رکھتے ہوئے ان اکابر کے مجموعی اصابت فکر، سلامت روی، طلب حق اور خشیتہ و اخلاص اور طریق حکمت و عظمت جیسی اعلیٰ صفات کی امید پر اتنا عرض کرنے کی جرات کی جا رہی ہے۔ کہ لہذا اس مسئلہ کو تقدیر الہی سمجھ کر یہیں ختم کر دیا جائے۔ حضرت کی تدفین جہاں مقدر مقرر ہو چکی، اب وہ ملا اعلیٰ اور اعلیٰ علیین میں آسودہ استراحت ہیں (انشاء اللہ) اب اصلاح ذات البین اور رفع نزاع کی نیت سے اپنے جذبات عقیدت کو قابو میں رکھ کر حضرت کے مزار کو موجودہ حالت میں رہنے دیا جائے۔ اور اس موضوع کو مزید علمی جولانی

طبع کا میدان نہ بنایا جائے، ورنہ احتمال ہے کہ آگے چل کر یہ چیز دین سے بیزار طبیعتوں کے لئے استحقاق اور استہزاء کا ذریعہ بن جائے۔ دلائلہما اللہ۔ دینی حمیت اور حضور اقدسؐ کے متواتر اور مسنون طریقوں کی حفاظت و تحفظ کے لئے اس سے بہتر اور ہزار ہا ہزار اہم تقاضے اور مصارف موجود ہیں۔ ہمیں اپنی پوری طاقت و قوت امت کے ان مسائل پر لگانی چاہئے جن پر نہ صرف پوری امت بلکہ دین کی بقا اور ترقی کا انحصار ہے۔ اس طرح خدا کی رحمت اور تائید ہمارے ساتھ ہوگی۔ ولاتنازعوا فتفشلوا وذهب ربکم۔ ان گذارشات سے ہرگز نہ بھی کسی گروہ کی طرف ذرا یا کسی کی دلآزاری مقصود نہیں ایک نیاز مندانہ گزارش ہے اور اکابر کی توجہ کی مستحق۔

واللہ یقول الحق وهو یسدى السبیل۔

کلیع الحق

۱۰ جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ

بقیہ: محمود غزنویؒ کے دیس میں حالات عالیہ کے ذکر سے بریز رہے ہیں۔ کرامت اور علو مرتبت کا یہ عالم کہ بسا اوقات جہاں قدم پڑتا وہاں سبزہ اگا دیتی مگر یہ کونسی بڑی بات ہے۔ یہ لوگ تو مردہ دلوں کو حیاتِ جاودانی بخشنے لگے۔ خاک ان کی نظر سے کیسا ہو جاتی تھی۔ ذرا دایں جانب ہٹ کر ان کی پاکباز رفیق حیات خاتون کا مزار ہے۔ چاروں طرف دیواروں اور گنبد سے ڈھکا ہوا، اندر جانے کا راستہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ اس زمانہ کی خاتون تھیں جو عفت جفا، خوفِ خدا اور ایمان و یقین کا پیکر ہو کر قیامتیں جاتے جاتے وصیت کر بیٹھیں کہ میری قبر کو چاروں طرف سے عمارت میں ڈھانک دیا جائے کہ بعد از مرگ کسی غیر محرم کو قبر پر بھی نگاہیں ڈالنے کا موقع نہ ملے۔ بیشک یہ ان مومنات قانات میں سے ہوں گی، جن کی پاکیزگیوں کو اللہ نے قرآن میں سراپا ہے۔ وہ رونقِ معقل بننے والوں میں سے نہ تھیں۔ بلاشبہ اس زمانہ کی خواتین مرد سے مساوات کی قائل نہ تھیں، مگر ایسی صفات کی بدولت اللہ انہیں نہ صرف مساوی بلکہ مردوں سے بڑھا بھی دیتا تھا۔ ولیس الذکر کا الانتی۔

شیخ الاسلام خضرویہ کے مزار سے ذرا جانبِ مشرق چلے جائیے، یہاں صالحین کے ایک بھرٹل میں خواجہ ایوب انصار آسودۂ استراحت ہیں۔ یہ اپنے وقت کے ممتاز و معروف عالم و عارف خواجہ عبید اللہ انصار کے والد ماجد ہیں۔ خود بھی بڑے ولی اور عارف کامل خواجہ عبید اللہ کا مزار ہرات میں ہے۔ عہدِ ایں خانہ ہمہ آفتاب ہیں۔ ارد گردِ قبور کے نشانات ہیں کچھ بوسیدہ کتبے جو پر پڑھے نہیں جاسکے مگر ہماری مجدد شرف کی کیا کیا نشانیاں خاک کے ان ڈھیروں میں یہاں ہوگی۔ وہاں سے آگے جائیں تو ————— (باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)